ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی[1]

علم حدیث اور علم فقہ کا باہمی تعلق اور تقابل

Abstract

Among other sciences of Islam, the science of Ḥadīth (Prophetic tradition) and Fiqh (jurisprudence) are both considered independently recognizable as they have their own books, source materials, subjects, terminologies, principles, experts and their Ṭabaqāṭ (i.e. categories according to the time period and relevant teachers).

Therefore the amalgamation of both sciences is flawed as both are independently recognized and acknowledged. The subject of the science of Ḥadīth is the verification or authentication of the narration while the subject of the science of Fiqh relates to the in depth understanding of the narrations; the former being the field of Muḥaddithīn and the latter being recognized as the field of Fuqahā᾿.

With regards to the verification of a transmission, one should trust primarily the experts of the relevant field i.e. Muḥaddithīn and for the need of reliable interpretation and understanding of such narrations one should trust Fuqahā and should refer to them. This indeed is a moderate approach, because just like for a doctor it is not discrediting to be lacking in engineering skills, in the same way for a Muḥaddith it is not discrediting to be lacking in the understanding or interpretation of a transmission which he himself validated.

A Muḥaddith mainly discusses the plausibility in relation to the

[1] پرنسپل لاہور انسٹیٹیوٹ فار سوشل سائنسز، لاہور

verification and reliability of the transmission while a Faqīh discusses the plausibility with regards to the implication or inference of the text of the transmission.

اسلامی علوم میں فقہ اور حدیث دو مستقل اور علیحدہ علیحدہ فنون کا نام ہے۔ ان کے ماہرین کو بھی مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ جو حضرات 'استنباط شریعت' میں مہارت تامہ رکھتے ہوں ان کو فقہاء اور جو حضرات 'تحقیق خبر' میں دسترس کاملہ رکھتے ہوں ان کو محدثین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ علم فقہ اور علم حدیث چونکہ الگ الگ فنون کا نام ہے، اسی لیے ان کے ماہرین کے میدان کار بھی ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہیں۔ اپنے موضوع مقصد، ہر دو اعتبار سے علم فقہ اور علم حدیث میں انتہائی واضح فرق پایا جاتا ہے۔ لہٰذا دو 'مستقل' فنون کی مباحث کو آپس میں خلط ملط کرنا دراصل علمی انتشار کا نتیجہ ہے۔ اسی وجہ سے جب راوی کا حافظہ منتشر ہو جائے تو ایسے سوء الحفظ راوی کو محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم "المختلط" کی اصطلاح سے بیان کرتے ہیں۔[1]

علم فقہ اور علم حدیث کو خلط ملط کرنے کی وجہ سے آج بہت سے مسائل الجھ رہے ہیں، چنانچہ اگر ایک حدیث اپنے ثبوت میں ثابت ہو گئی تو یہ بحث کہ وہ قابل استدلال ہے یا نہیں، یا وہ معمول بہ ہے یا نہیں، یا راوی کا اپنا استدلال یا عمل اس کے خلاف ہے یا نہیں، یا اس کا راوی فقیہ ہے یا نہیں، یا بعد کے زمانوں میں اس پر کس حد تک عمل رہا، یا لوگوں کے ہاں وہ مشہور تھی یا غیر مشہور وغیرہ تمام درایتی نقد کے اصول اور یہ تمام ابحاث فن حدیث کا موضوع نہیں بلکہ فن استدلال کا موضوع ہیں۔ حکیم لقمان کے حوالے سے مثلاً دانائی کے اصولوں کو جب کوئی شخص بیان کرتا ہے تو فن حدیث کا اس سے تعلق صرف اتنا ہوتا ہے کہ تحقیق کی جائے کہ یہ خبر حکیم لقمان سے ثابت بھی ہے یا نہیں؟ رہا یہ کہ ہمیں حکیم لقمان کے بات سے کس حد تک اتفاق ہے یا ان کی وہ بات معقول ہے یا غیر معقول، یا ان کی بات کو صحیح ماننے پر لوگ متفق ہیں یا مختلف، یا ان کی وہ بات ان کی اپنی دوسری باتوں کے باہم متعارض ہے یا نہیں وغیرہ یہ تمام ابحاث فن حدیث کے بجائے فن فقہ سے تعلق رکھتی ہیں۔

ذیل میں فن فقہ اور فن حدیث میں پائے جانے والے فنی فروق کو ہم مختلف نکات کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔ ہماری کوشش ہو گی کہ اس تمام تر اختلاف کے باوجود دو مختلف علوم کا باہمی تعلق بھی معتدل انداز میں بیان کر دیں تاکہ افراط و تفریط سے بچتے ہوئے زیر بحث موضوع کے جمیع پہلوؤں کا احاطہ کیا جا سکے۔ فن حدیث اور فن فقہ کے چند اختلافی نکات درج ذیل ہیں:

اصولوں کے اعتبار سے فرق

فن حدیث اور فن فقہ کا جائزہ اگر ان کے اصولوں کے اعتبار سے لیا جائے تو ان دونوں میں فرق واضح ہو جائے گا۔ مثلاً فن محدثین میں شہرت، کثرت اور صلاحیات کی وافر موجودگی کی بھی ایک اہمیت ہے۔ مثلاً راوی

[1] ابن حجر العسقلاني، أحمد بن علي بن حجر، نزهة النظر: ص 27، فاروقي كتب خانه، ملتان

کے بارے میں اچھی شہرت اس کو ثقہ بناتی ہے۔[1] اور کثرت رواۃ سے روایت میں قطعیت پیدا ہو جاتی ہے۔[2] تعارض الروایہ کی صورت میں جمع نہ ہونے کی صورت میں اقلیت پر اکثریت کو یا ثقہ پر اوثق کی بات کو ترجیح دینا بھی اسی قبیل سے ہے۔[3] جبکہ فن فقہ میں جمہور کوئی دلیل ہیں، نہ شہرت اور نہ ہی تعارض الادلہ کی صورت میں اَفقَہ کی فقیہ کے بالمقابل اور زیادہ فقہا کی رائے کو چند فقہا کے مدمقابل کوئی اہمیت ہے۔ یہاں اہمیت ہے تو صرف دلیل کو ہے، البتہ سب فقہاء اگر ایک بات پر متفق ہوں تو ان کی بات کو استدلال میں ایک مقام حاصل ہے۔[4] لیکن وہ بھی اس وجہ سے نہیں ہے کہ کثرت ایک دلیل ہے، بلکہ اس کے اسباب اور ہیں۔

موضوع کے اعتبار سے فرق

موضوع کے اعتبار سے بھی فن حدیث اور فن فقہ کا فرق بہ آسانی سمجھا جا سکتا ہے۔ فن حدیث کا موضوع صرف اس قدر ہے کہ روایت و خبر کی تحقیق پیش کر دی جائے کہ آیا یہ قائل کے اعتبار سے مستند بات بھی ہے یا نہیں؟ بالفاظ دیگر حدیث و فقہ کے اس فرق کو یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ فن حدیث کا موضوع محض اتنا ہے کہ اس میں یہ تحقیق کی جاتی ہے کہ آیا مروی کے نقل ہونے میں کوئی خرابی تو نہیں کیونکہ خبر (یا جملہ خبریہ) کی تعریف ہی یہ کی جاتی ہے کہ جس میں سچ یا جھوٹ دو پہلو پائے جائیں، چنانچہ محدثین رحمۃ اللہ علیہم اصول روایت کی روشنی میں اس روایت کی تحقیق کر کے سچ یا جھوٹ کسی ایک پہلو تک پہنچتے ہیں۔[5] اسی لیے محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے علم الحدیث کو علم الخبر کا نام دیا ہے،[6] کیونکہ حدیث فی الحقیقت صحابی کی اس خبر کو کہتے ہیں جو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو آگے نقل کرتے ہوئے دوسرے لوگوں تک روایت کرتا ہے، جبکہ علم فقہ کا موضوع حدیث کے موضوع سے سراسر مختلف ہے کیونکہ فن فقہ میں روایت بطور خبر نہیں بلکہ بطور استدلال اور بطور استنباط مد نظر ہوتی ہے۔

---

1 النووي، أبو زكريا، محي الدين يحي بن شرف، التقريب والتيسير: ص 7، دار الكتاب العربي، بيروت، الطبعة الأولى، 1985م

2 السيوطي، أبو الفضل، جلال الدين عبد الرحمن، تدريب الراوى: ص109، دار طيبة، س ن

3 العراقي، زين الدين عبد الرحيم، التقيدوالأيضاح: ص21، دار الحديث للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان، الطبعة الثانية، 1974م

4 آمدى، أبو الحسن علي بن أبي علي بن محمد، الإحكام في أصول الأحكام: ص200، مكتبة محمد علي صبيح، مصر، 1968م

5 العوني، حاتم بن عارف بن ناصر الشريف، المنهج المقترع لفهم المصطلح: ص105، دار الهجرة للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الأولى، 1416 هـ - 1996 م

6 الطحان، محمود الدكتور، تيسير المصطلح الحديث: ص15، مكتبة المعارف، الرياض، الطبعة السابعة، 1985م

مصنّفات کے اعتبار سے فرق

علم حدیث اور علم فقہ چونکہ اپنے موضوع کے اعتبار سے دو الگ الگ فنون ہیں، لہٰذا ان علوم وفنون سے متعلقہ کتب میں اپنے اپنے موضوع کے اعتبار سے ناموں میں بھی واضح فرق پایا جاتا ہے۔ مثلاً امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 728ھ) نے علم اصول حدیث سے متعلقہ اپنی کتاب کا نام 'علم الحدیث'، امام ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 643ھ) نے علوم الحدیث، امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 405ھ) نے معرفۃ علوم الحدیث اور خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 463ھ) نے "الكفاية في علم الرواية" وغیرہ رکھا ہے۔ جبکہ دوسری طرف علم فقہ سے متعلقہ تمام کتابوں کے ناموں میں ہی علم اُصول فقہ، علم اُصول اجتہاد، علم اُصول استدلال وغیرہ کی وضاحت واضح طور پر موجود ہوتی ہے۔ جیسے ڈاکٹر عبد الکریم زیدان حفظہ اللہ اور حسین علی الاعظمی حفظہ اللہ کی کتابیں " الوجيز في أصول الفقه"، ڈاکٹر معروف الدوالیبی حفظہ اللہ کی کتاب "المدخل إلى أصول الفقه" اور فاضل عبد الواحد عبد الرحمن حفظہ اللہ کی کتاب "النموذج في أصول الفقه" وغیرہ کے نام سے واضح ہے۔

مقصود کے اعتبار سے فرق

فن حدیث اور فن فقہ میں مقصود کے اعتبار سے بھی ایک واضح فرق پایا جاتا ہے اور وہ یہ کہ علم حدیث کا مقصد کسی شے کو اُن اشخاص تک پہنچا کر انہیں فیض یاب کرنا ہوتا ہے جو اس شے کو براہ راست خود اخذ نہ کر سکے ہوں۔ راوی چونکہ شے کو خبر کے ذریعے آگے دوسرے شخص تک روایت کر دیتا ہے، تو گویا وہ اس سرمایۂ نبوت سے دوسرے شخص کو بھی سیراب کرتا ہے کہ جس سے خود مستفید ہوا ہوتا ہے، اسی لیے روایت کو روایت کہا جاتا ہے۔[1] بنابریں تحقیق روایت میں اصل مقصود متن کی تحقیق ہوتی ہے۔

اس کے بالمقابل علم الفقہ کا مقصد کسی شے سے استنباط واستدلال کر کے اس سے احکام ومسائل کا استخراج کرنا ہوتا ہے۔[2] اسی لیے علم فقہ کا مقصد صرف یہی ہے کہ وہ روایت کا مفہوم 'نبوی اصولوں' کی روشنی میں واضح کرے۔ فن فقہ کا اس بات سے کوئی تعلق نہیں کہ جس روایت سے فقہاء استنباط کرتے ہیں تو وہ استنباط کے پس منظر میں اس روایت کے ثبوت کی تحقیق بھی کرتے ہیں، جیسا کہ اس کی تصریح خود علمائے فن نے کی ہے۔[3]

اصطلاحات کے اعتبار سے فرق

فن حدیث اور فن فقہ میں اپنے اپنے میدان کار میں ماہرین فن کے ہاں استعمال ہونے والی اصطلاحات کے

[1] الأصفهاني، محمد بن المفضل، المفردات القرآن: 277/1، نور محمد، أصح المطابع، آرام باغ كراتشي

[2] الرازى، فخر الدين، أبو عبد الله محمد بن عمر بن حسين، المحصول فى علم أصول الفقه: 78/1، تحقيق د.طه جاب فياض العلواني، جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية، الرياض، 1401هـ

[3] تيسير المصطلح: ص147

عتبار سے بھی نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ مثلاً محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں کسی ضعیف روایت کے مفہوم پر فقہاء رحمۃ اللہ علیہم کے اجماع کا قطعی مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ روایت رسول اللہ ﷺ کی نسبت سے ثابت ہو جاتی ہے، بلکہ روایت کو صحیح ثابت کرنے کے لیے تو خبر وروایت سے ہی شواہد اور توابع پیش کرنے پڑیں گے۔ اسی لیے محدثین رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں جو ضعیف روایت شواہد اور توابع کی وجہ سے درجہ حسن کو پہنچے، اسے حسن لغیرہ اور جو حسن روایت شواہد وتوابع کی وجہ سے درجہ صحیح کو پہنچے تو اسے صحیح لغیرہ کہا جاتا ہے۔ جبکہ خبر کے علاوہ دیگر ذرائع (مثلاً اجماع یا تعامل وغیرہ) سے روایت کے مفہوم صحیح ہونے کو 'سنداً ضعیف مفہوماً صحیح' کی متوازی اصطلاح سے بیان کیا جاتا ہے۔[1] ہم کہنا چاہتے ہیں کہ ضعیف روایت پر امت کا اجماع بھی اسے ثبوت میں صحیح نہیں بنا سکتا، البتہ اس روایت کے مفہوم کو قطعی ضرور بنا دیتا ہے۔

اسی طرح سند کے اعتبار سے صحیح خبر واحد پر فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کے اجماع یا اس روایت پر امت کا بلا اختلاف تعامل، جسے اصلاحی مکتبہ فکر کے حاملین تواتر عملی کا نام دیتے ہیں[2] یا زمانہ خیر القرون میں اس کا مشہور ہونا، جسے علمائے احناف خبر مشہور کہتے ہیں، وغیرہ اُمور سے نفس حدیث کی آپ ﷺ کی طرف نسبت میں ثبوت کی قوت کے اعتبار سے کوئی اضافہ نہیں ہوتا، البتہ مفہوم روایت میں بسا اوقات ضرور قوت پیدا ہو جاتی ہے۔

ثبوت ودلالت کے اعتبار سے فرق

فن فقہ اور فن حدیث میں ایک نمایاں فرق ان کے موضوع کی نسبت سے قطعیت وظنیت کا بھی ہے۔ علم فقہ کا موضوع چونکہ دلالات ہیں، چنانچہ یہاں بحث قطعی الدلالت یا ظنی الدلالت سے ہوتی ہے۔ جبکہ علم الحدیث کا موضوع ثبوت واقعہ ہے، اس لیے اس میں بحث روایت کے قطعی الثبوت یا ظنی الثبوت کے بارے میں ہوتی ہے۔ چنانچہ فن حدیث کے پہلو سے کسی روایت کے قطعی الثبوت ہونے کا کوئی تعلق، استدلالی پہلو سے روایت کے قطعی الدلالت ہونے سے نہیں ہے، کیونکہ دو مختلف فنون کی اصطلاحات ہونے کے اعتبار سے ان کے مابین کوئی نسبت ہی نہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید کی تفسیر میں مفسرین کرام کا کتنا اختلاف کتب تفاسیر میں موجود ہے، باوجودیکہ قرآن مجید اپنی روایت کے پہلو سے قطعی الثبوت ہے۔ اسی طرح متواتر روایات میں سے سبعۃ اَحرف کی روایت بھی شمار کی جاتی ہے، بلکہ بعض علماء نے تو اسے متواتر لفظی کے قبیل سے شمار کیا ہے،[3] لیکن اس کے باوجود اس کے مفہوم کے بارے میں "الإتقان" اور "مناهل العرفان" وغیرہ میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 911ھ) اور امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 1122ھ) نے 40 کے قریب اَقوال ذکر فرمائے ہیں، بلکہ ان فنون کے باہمی فرق کا عالم یہ ہے کہ بسا اوقات ایک روایت محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کی متفقہ رائے کے مطابق حتمی ضعیف

---

1. ابن تيمية، أحمد بن عبد الحليم، مقدمة أصول تفسير: ص 19-20، المكتبة العلمية، باكستان
2. اصلاحی، امین احسن، مبادی تدبر حدیث: ص 70-71، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، 2000ء
3. سہیل عمر، ڈاکٹر، جامع الاصول (اردو ترجمہ الوجیز فی اصول الفقہ): ص 211، شریعہ اکیڈمی، اسلام آباد، 2014ء

الثبوت ہوتی ہے، لیکن اس کا خلاصہ چونکہ دیگر روایات کی تائید حاصل ہونے کی وجہ سے مقبول ہوتا ہے، چنانچہ بعض اوقات اس کے اس مفہوم پر مجتہدین کرام کے اجماع قائم ہو جانے کے باعث اس روایت کا مفہوم 'قطعی الدلالت' قرار پا جاتا ہے۔ جیسے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا پہلا خلیفہ ہونا، عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دوسرا خلیفہ ہونا، عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا تیسرا خلیفہ ہونا اور علی رضی اللہ عنہ کا چوتھا خلیفہ ہونا بطور روایت یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی نسبت سے تو بالاتفاق محدثین رحمۃ اللہ علیہم ثابت نہیں، البتہ اس بات کے صحیح ہونے کے قطعی شرعی دلائل کی وجہ سے علمائے امت اس بات کو بالاتفاق قبول کرتے ہیں۔[1] دوسری مثال یہ ہے کہ اجتہاد سے متعلق معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی معروف روایت اور اجماع سے متعلق تمام مشہور روایات محدثین کرام کے اصولوں پر قطعی ضعیف ہیں[2] لیکن چونکہ ان روایات کا خلاصہ شریعت کے دیگر دلائل سے ثابت ہے، اس لیے تمام فقہاء اور اصولی ان روایات کو اپنی اصول فقہ کی کتب میں بڑے اہتمام سے پیش فرماتے ہیں اور ان سے اجماع اور اجتہاد کے ثبوت کو واضح کرتے ہیں۔[3]

روایت کے قبول و عمل کا فرق

فن حدیث اور فن فقہ میں ایک اساسی فرق روایت میں قبولیت اور عمل کے معیار کا بھی ہے۔ محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں قبول ورد کے اعتبار سے ایک روایت کی دو اقسام ہیں: خبر مقبول اور خبر مردود۔[4] جب ایک حدیث فن حدیث میں مقرر کردہ معیارات پر پورا اترتی ہے تو وہ محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں مقبول قرار پاتی ہے، جبکہ استدلال و عمل کے اعتبار سے اسی خبر مقبول کو مزید دو اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے:[5] خبر مقبول کی پہلی قسم کو فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم معمول بہا مقبول روایت کا نام دیتے ہیں اور اس سے ان کی مراد ایسی روایت ہے جو قابل استدلال اور قابل عمل ہو۔ خبر مقبول کی دوسری قسم کا نام فقہاء رحمۃ اللہ علیہم نے غیر معمول بہ مقبول روایت رکھا ہے اور اس سے ان کی مراد ایسی روایت ہے جو نا قابل استدلال اور نا قابل عمل ہو۔[6]

گویا محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں مقبول قرار پانے والی روایت علمائے استدلال کے ہاں غیر معمول بہ قرار دی

---

1. أبي العز الدمشقي، علي بن علي بن محمد، مهذب شرح العقيدة الطحاوية: ص 398، مكتبة الغرباء، الطبعة الرابعة، 2002م
2. الزيلعي، جمال الدين أبو محمد، نصب الراية لأحاديث الهداية: 9/365، مؤسسة الريان للطباعة والنشر، بيروت، لبنان، الطبعة الأولى، 1997م
3. السرخسي، أبي بكر محمد بن أحمد بن أبي سهل، أصول السرخسي: 2/107، دار المعرفة للطباعة والنشر، بيروت
4. تيسير مصطلح الحديث: ص 32
5. أيضاً: ص 54-60
6. تدريب الراوي: 1/46

جاسکتی ہے۔ جیسا کہ کتب اصول فقہ میں موجود ہے کہ تعارض الادلہ کی ضمن میں جو روایات منسوخ، مرجوح یا باہم ٹکراؤ کے باعث اضطرابی کیفیت پر باقی رہیں، جسے علمائے فن متوقف علیہ روایت کا نام دیتے ہیں، انہیں اصولیوں کے ہاں استدلال و عمل میں نہیں لایا جاسکتا۔[1]

فن حدیث اور فن فقہ میں مذکورہ پہلو سے فرق کی ایک اور نوعیت یہ بھی ہے کہ محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں جو حدیث فن حدیث میں خبر مقبول کے لیے مقرر کردہ معیار پر پوری نہ اترے اسے وہ ضعیف کہتے ہیں۔ لیکن ضعیف روایت کو بعض فقہاء رحمۃ اللہ علیہم استدلال میں قیاس کے بالمقابل مدارِ استدلال بناتے ہیں کہ روایت کے ضعیف ہونے کے باوجود اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہونے کا امکان تو ہے جب کہ قیاس میں تو یہ امکان بالکل نہیں ہے۔[2] اگر ایک روایت محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں حدیث کے لیے مقرر معیار ثبوت پر تو پوری اترے، البتہ وہ معمول بہانہ ہو تو محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم تو اسے مقبول حدیث ہی میں شمار کرتے ہیں جبکہ فقہاء عظام رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں وہ ثابت ہونے کے باوجود عمل کے اعتبار سے قابل استدلال نہیں ہوتی۔ حاصل یہ ہے کہ مرجوح یا متوقف علیہ روایت محدثین رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں ضعیف نہیں بلکہ صحیح ہوتی ہیں، البتہ معمول بہ اور قابل استدلال نہیں ہوتیں۔[3]

تعریفِ حدیث کے اعتبار سے فرق

فن روایت اور فن فقہ میں 'تعریف حدیث' کے اعتبار سے بھی فرق پایا جاتا ہے۔ اصطلاح محدثین میں حدیث کی تعریف یہ ہے:

"هو ما أضيف إلى رسول الله ﷺ من قول أو فعل أوتقرير أوصفة خَلقية وخُلقية."[4]

"حدیث وہ قول، فعل، تقریر، اخلاقی یا پیدائشی وصف ہے جس کی نسبت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہو۔"

بلکہ امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 902ھ) نے تو یہاں تک فرمادیا ہے کہ بیداری اور نیند کی حالت میں صادر ہونے والی حرکات و سکنات تک تعریف حدیث میں داخل ہیں۔ فرماتے ہیں:

"ما أضيف إلى النبي ﷺ قولا له أو فعلا أو تقريرا أو صفة حتى الحركات والسكنات في اليقظة والمنام."[5]

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو بھی منسوب کیا جائے، قول، فعل، تقریر یا صفت حتی کہ بیداری اور نیند کی حالت کی

---

[1] جامع الأصول: 629-644

[2] ابن قيم الجوزية، محمد بن أبي بكر ، إعلام المؤقعين: 1/77، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، 1991م

[3] السخاوي، أبي عبد الله محمد بن عبد الرحم، فتح المغيث: 1/19، المملكة العربية السعودية، 2003م

[4] فتح المغيث: 1/8

[5] أيضاً: 1/1

حرکات وسکنات بھی 'حدیث' کہلاتی ہیں۔"

علامہ جمال الدین قاسمی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 1332ھ) کے بقول تعریف حدیث میں محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے سیرت نبوی کو بھی داخل کیا ہے، حالانکہ سیرت اصولیوں کے ہاں احکام ومسائل کا ماخذ نہیں ہوتی۔ فرماتے ہیں:

"علم حدیث کا مقصود ایسی چیز کی طلب ہے کہ جس سے دینی اُمور پر استدلال کیا جاتا ہو اور یہ چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یا فعل یا تقریر ہے۔ حدیث میں قبل از نبوت سیرت سے متعلق بعض اخبار بھی داخل ہیں مثلاً غارِ حراء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلوت نشینی، حسن سیرت، کرائم اخلاق، محاسن افعال، حضرت خدیجہؓ کا یہ قول: "كلا والله لا يخزيك الله إنك لتصل الرحم وتحمل الكل وتكسب المعدوم وتعين على نوائب الحق." آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا امی ہونا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدق وامانت کے لیے معروف ہونا یا اسی طرح کی وہ تمام اشیاء جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور صداقت پر دلالت کرتی ہوں۔"[1]

گویا محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں تعریفِ حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ خَلقی اور اوصافِ خُلقی بھی شامل ہیں، کیونکہ محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کا موضوع محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشاہدات کو بذریعہ خبر روایت کر دینا ہے، لیکن چونکہ فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کا یہ موضوع نہیں، بلکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے صرف ان امور کو سامنے رکھ کر استخراج مسائل کرتے ہیں کہ جن سے استدلال کرنا صحیح ہو، اس لیے انہوں نے حدیث کی مذکورہ تعریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو شامل نہیں فرمایا کیونکہ ان سے شرعی امور میں استدلال صحیح نہیں۔[2]

علامہ عجاج الخطیب رحمۃ اللہ علیہ فقہائے کرام اور محدثین عظام رحمۃ اللہ علیہم کی تعریفات حدیث کا تقابل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک 'سنت' ہر اس قول، فعل، تقریر، صفت خَلقیہ وخُلقیہ اور سیرت (خواہ بعثت سے قبل کی ہو یا بعد کی) کا نام ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثور ہے۔ فقہاء عظام رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک 'سنت' قرآن کریم کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہونے والا ہر قول، فعل اور تقریر ہے۔"[3]

---

1 القاسمي، محمد جمال الدين، قواعد التحديث من فنون مصطلح الحديث: ص 64، دار الكتب العلمية، بيروت- لبنان، الطبعة الأولى، 1979م

2 ابن تيميه، تقي الدين أبو العباس، أحمد بن عبد الحليم، مجموع الفتاوى:10/18، مجمع الملك فهد الطباعة المصحف الشريف، المدينة النبوية، المملكة العربية السعودية، عام النشر 1995م

3 الخطيب، محمد بن عجاج بن محمد، السنة قبل التدوين: ص16-18، دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان، الطبعة الثالثة، 1980م

طبقات رجال اور کتب مصادر کے اعتبار سے فرق

فن فقہ اور فن حدیث میں ایک نمایاں فرق ان کے طبقات رجال کا بھی ہے۔ علمائے امت نے تمام علوم کے ماہرین کے حالات زندگی کو مختلف عناوین کے تحت محفوظ فرمایا ہے۔ چنانچہ جو شخص فن فقہ سے متعلقہ ماہرین افراد کے حالات معلوم کرنا چاہے اسے ''طبقات الفقهاء'' پر مشتمل کتب سیَر کا مطالعہ کرنا چاہیے اور جو شخص فن حدیث کے ماہرین کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہے اسے ''أسماء الرجال'' پر مشتمل ان کتب کا مطالعہ کرنا چاہیے جن میں طبقات المحدثین کو تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔ حدیث وفقہ کے فنون پر نظر رکھنے والا آدمی اس بات کو بخوبی سمجھتا ہے کہ یہ دونوں دو مستقل فنون ہیں اور طبقات المحدثین میں فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کو تلاش کرنا یا ''طبقات الفقهاء'' میں محدثین عظام رحمۃ اللہ علیہم کے اسماء کو دیکھنا وقت کے ضیاع کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اسی طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ دونوں فنون کی کتب مصادر و مراجع بالکل مختلف ہیں۔ مثلاً مصادر حدیث میں صحاح ستہ وغیرہ اور مصادر اصول حدیث میں ''الكفاية'' اور ''مقدمة ابن الصلاح'' وغیرہ جیسی کتب شامل ہیں۔ جبکہ مصادر فقہ اسلامی میں ابن رشد کی ''بداية المجتهد'' اور ابن قدامہ کی ''المغنی'' وغیرہ اور مصادر اصول فقہ میں ''الرسالة للشافعي'' اور ''الإحكام في أصول الأحكام للآمدي'' وغیرہ جیسی کتب شامل ہیں۔ المختصر فن فقہ میں تحقیق حدیث کے اصولوں کو تلاش کرنا یا فن حدیث میں تفہّم اور تفقّہ کے اصولوں کو تلاش کرنا وقت کا ضیاع ہے۔

ماہرین فن کے اعتبار سے فرق

علم فقہ اور علم حدیث میں فرق کو جاننے کے لیے ان علوم کے ماہرین کے اسماء کا اختلاف بھی بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ فن حدیث کے ماہر کو محدث اور فن فقہ کے ماہر کو مجتہد کہا جاتا ہے۔ گویا محدث اور مجتہد میں فرق ہے۔ محدث کی تعریف یہ ہے کہ جو حدیث کی فقط روایت یا فقط درایت یا دونوں میں زندگی بھر مشغول رہے،[1] جبکہ مجتہد اس کو کہتے ہیں جو کہ قرآن وحدیث کے معانی اور اس کی مراد واضح کرنے کا عظیم کام سرانجام دے۔[2] تو دونوں کا میدان حدیث ہی ہے لیکن چونکہ منہج کا فرق ہے اس لئے مجتہد پر محدث اور محدث پر مجتہد کا اطلاق نہیں ہوتا، البتہ اگر وہ دونوں کام کرے تو دونوں القاب کا اطلاق اس پر ہو جاتا ہے۔ اور بہترین بات یہی ہے کہ انسان دونوں کا ہی ماہر ہو، کیونکہ ان دونوں علوم پر عبور سے فقہ وحدیث کی جو کشمکش خوامخواہ برصغیر پاک وہند میں ماضی قریب میں رہی اور جس کے اثرات آج بھی موجود ہیں، وہ ختم ہو جائے گی۔ اسی لیے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی

---

[1] قواعد التحديث: ص 77

[2] الفوزان، عبد الله بن صالح، شرح الورقات في أصول الفقه: ص263-264، دار المسلم، الرياض، 1996م

1176ھ) نے اپنے وصیت نامے میں اسی بات کو پسند کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ "میں اپنے جانشینوں کو فقہائے محدثین کے طریق کار کی نصیحت کرتا ہوں۔"[1]

قبول ورد کے اعتبار سے فرق

فن حدیث اور فن فقہ میں کسی حدیث کے قبول ورد کے اعتبار سے بھی واضح فرق پایا جاتا ہے۔ اس فرق کو سمجھنے کے لیے ایک مثال 'حدیث مرسل' کی ہے، جو کہ بالاتفاق محدثین رحمہم اللہ علیہم ضعیف ہوتی ہے،[2] البتہ آئمہ اربعہ سمیت جمہور فقہاء رحمہم اللہ علیہم کے ہاں اس سے مشروط یا غیر مشروط پر استدلال کیا جاسکتا ہے،[3] اس لیے فن فقہ میں 'حدیث مرسل' کو بطور استدلال قبول کیا جائے گا، لیکن فن حدیث میں استنادی اعتبار سے اس کے منقطع السند ہونے کی وجہ سے یہ روایت خبر مردود ہی میں شامل رہے گی۔ اس بات کی ایک اور مثال یہ بھی ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 150ھ) کے حوالے سے کتب اصول میں موجود ہے کہ فن فقہ میں وہ قیاس کے بالمقابل ضعیف حدیث کو ترجیح دیتے تھے۔ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 751ھ) لکھتے ہیں:

"وأصحاب أبي حنيفة مجمعون على أن ضعيف الحديث مقدم على القياس والرأي وعلى ذلك بنى مذهبه."[4]

"اصحاب أبی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ضعیف حدیث کو قیاس اور رائے پر مقدم کیا جائے گا اور اسی اصول پر مذہب حنفی کی بنیاد ہے۔"

لیکن فن حدیث میں کوئی امام یا محدث ایسا نہیں جو یہ دعوی کرے کہ 'قیاس' کے بالمقابل ضعیف روایت سے جب امام صاحب استدلال کرتے ہیں تو اسے ثبوت کے اعتبار سے صحیح بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح اجتہاد اور اجماع سے متعلقہ تمام ضعیف روایات سے فقہاء کرام رحمہم اللہ علیہم کا مسئلہ اجتہاد یا اجماع کو ثابت کرنے کا قطعی لازمہ نہیں ہے کہ محدثین عظام رحمہم اللہ علیہم کے ہاں اب یہ روایات بطور نسبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت قرار پاچکی ہیں۔

فن فقہ اور فن حدیث میں قبول ورد کے اعتبار سے فرق کی ایک اور مثال یہ بھی ہے کہ فقہائے کرام رحمہم اللہ علیہم میں سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 241ھ) اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 150ھ) کے ہاں قول صحابی حجت ہے،[5] لیکن

---

1 الدهلوي، شاه ولي الله ، التفهيمات الالٰهية:2/240،أكادمية الشاه ولي الله، حيدر آباد، سندهـ،1907م

2 ابن الصلاح، عثمان بن عبد الرحمن، مقدمة ابن صلاح: ص 53، دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى، 2002م

3 أيضاً: ص 53

4 إعلام الموقعين: 1/77

5 الجصاص، أحمد بن علي أبو بكر، الرازي، الفصول في الأصول: 2/348، وزارة الأوقاف الكويتية، الطبعة الثانية، 1994م

اس کے حجت ہونے کا قطعی لازمہ یہ نہیں کہ محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم بشمول امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے 'اجتہاد صحابی' کو حدیث کے قبیل سے سمجھتے ہوئے شریعت سمجھتے ہیں۔

شرائط قبول حدیث کے اعتبار سے فرق

فقہ حدیث اور فن فقہ میں کسی حدیث کے مقبول ہونے کی شرائط کے اعتبار سے بھی فرق پایا جاتا ہے۔ فن حدیث میں عام اہل علم کے ہاں کسی حدیث کے مقبول ہونے کے لیے راوی کے بارے دو شرطیں بنیادی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ شخصیت کے حوالے سے باکردار ہو۔ فن حدیث کی اصطلاح میں راوی کے اس وصف کو 'عدالت' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ راوی سے متعلق دوسری شرط یہ ہے کہ خبر کے نقل کرنے کے سلسلہ میں وہ باصلاحیت ہو۔ فن حدیث کی رو سے باصلاحیت راوی کو 'ضابط' کہا جاتا ہے۔ اصول حدیث کی کتب میں خبر مقبول کے لیے محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے صرف انہی دو صفات پر اکتفاء کیا ہے۔[1] مزید برآں انہی دو صفات کے حامل راوی پر محدثین رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں 'ثقہ' کی اصطلاح بولی جاتی ہے۔[2] اسی وجہ سے محدثین رحمۃ اللہ علیہم نے اپنی کتب کے شروع ہی میں المسندِ کی اصطلاح کی ضمن میں راوی کے لیے متعین فرما دیا ہے کہ اسے مروی کے مفہوم پر عبور ہونا قطعی ضروری نہیں۔[3]

اس کے بالمقابل فن فقہ کا موضوع چونکہ فہم روایت اور حدیث سے استنباط واستخراج ہے، جس کے لیے متعلقہ شخص کا صاحب صلاحیت ہونا ایک لازمی وصف ہے، چنانچہ مجتہد وفقیہ کی لازمی سی بات ہے کہ اس میں صلاحیت تفقہ بدرجہ اتم موجود ہو، جیسا کہ بعض اصولیوں نے مجتہد کی شرائط میں یہ شرط بھی عائد کی ہو کہ اس میں اجتہاد کا فطری ملکہ بھی ہونا چاہیے۔[4]

المختصر یہ بات چوں کہ علم الروایہ اور علم الحدیث کے حوالے سے کسی طرح بھی معقول نہیں کہ راوی کے باصلاحیت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں تفقّہ کی صلاحیت بھی ہو، چنانچہ جن علماء نے تحقیق روایت کے لیے راوی سے متعلق 'فقیہ ہونے' کی شرط کا اضافہ کیا ہے، وہ غیر معقول اور فن حدیث میں غیر مقبول ہے۔[5] عین اسی طرح جو لوگ ائمہ مجتہدین کے لیے ان کے ضابط ہونے کو وصف اجتہاد کا لازمہ سمجھتے ہیں، وہ بھی مکمل غلطی پر

---

1 تیسیر مصطلح الحدیث: ص 333-335

2 عتر، نور الدین، الدکتور، منهج النقد فی علوم الحدیث: ص 79، دار الفکر للبطاعة والتوزیع والنشر، دمشق، الطبعة الثالثة، 1979م

3 تدریب الراوی: ص6

4 جامع الاصول: ص650

5 البهنساوي، سالم علي، السنة المفتری علیها: ص 180، دار الوفاء، القاهرة، دار البحوث العلمية، الطبعة الثالثة، 1989م

ہیں، جیسا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر ان کے حافظہ کے پہلو سے جرح کی جاتی ہے حالانکہ مجتہد کے لیے حافظ حدیث ہونا شرط نہیں ہے۔[1]

خلاصہ یہ ہے کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح کسی ڈاکٹر کے لیے انجینئر ہونا یا انجینئر کے لیے ڈاکٹر ہونا کوئی لازمی وصف نہیں، اسی طرح کسی محدث کا فقیہ ہونا یا فقیہ کا محدث ہونا بھی کوئی متعلقہ وصف نہیں۔

علم فقہ اور علم حدیث...راہ اعتدال

مذکورہ بالا تمام نکات سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ علم فقہ اور علم حدیث میں ان کے موضوع، مقصود، تعریف، مصادر وغیرہ ہر اعتبار سے نمایاں فرق پایا جاتا ہے اور ان کے ماہرین کو بھی مختلف نام دیئے جاتے ہیں۔ علامہ عبد الحیٔ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 1304ھ) جو کہ فقہائے احناف رحمۃ اللہ علیہم کے نمائندہ علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب الأجوبة الفاضلة میں بڑے انصاف کے ساتھ فقہاے کرام اور محدثین عظام رحمۃ اللہ علیہم میں سے ہر ایک کے دائرہ کار کو دوسرے سے الگ قرار دیا ہے۔ وہ سوال وجواب کی صورت میں فرماتے ہیں:

"فإن قلت فما بالهم أوزدوا في تصانيفهم الأحاديث الموضوعة مع جلالتهم ونباهتهم ولِمَ لم ينقدوا الأسانيد مع سعة علمهم؟ قلت: لم يوردوا ما أوردوا مع العلم بكونه موضوعا بل ظنوه مرويا وأحالوانقد الأسانيد على نقاد الحديث لكونهم أغنوهم عن الكشف الحثيث؛ إذ ليس من وظيفتهم البحث عن كيفية رواية الأخبار إنما هومن وظيفة حملة الأثار فلكل مقام مقال ولكل فن رجال."[2]

"اگر کہا جائے کہ ان عظیم اور مشہور فقہاء رحمۃ اللہ علیہم نے اپنی تصنیفات میں اسانید کی تحقیق کے بغیر موضوع روایات کو کیسے نقل کر دیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے ایسی روایات کو جان بوجھ کر نقل نہیں کیا، بلکہ وہ تو یہی سمجھتے تھے کہ یہ روایات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں اور انہوں نے ان کی اسانید کی تحقیق کو حدیث کے ماہر محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم پر چھوڑ دیا تھا، کیونکہ وہ (محدثین کرام) ان کی تحقیق سے فارغ ہو چکے تھے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ احادیث کی تحقیق کرنا فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کا کام بھی نہیں ہے، بلکہ یہ کام محدثین کرام کا ہے اور ہر مقام کے مناسب حال بات کی جاتی ہے، مناسب بات یہی ہے کہ ہر فن کے متعلقہ امر کو متعلقہ فن کے ماہرین پر چھوڑا جائے۔"

مولانا ثناء اللہ امر تسری رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 1948م) لکھتے ہیں:

"حدیث کی تنقید (ضعف اور صحت) سے بحث کرنا محدثین کا کام ہے۔ مجتہد کے لئے حدیث کا جاننا ضروری ہے،

---

1 الأصبهاني، أبو نعيم أحمد بن عبد الله، الضعفاء: 154/1، دار الثقافة، الدار البيضاء، الطبعة الأولى، 1984م

2 اللكنوي، أبو الحسنات، محمد عبد الحي، إمام، الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة: ص35، مكتبة الرشد، الرياض، الطبعة الثانية، 1974

لیکن بحیثیت مجتہد اس کا کام استنباط مسائل ہے اور تنقید حدیث میں وہ محدثین کی خدمت کی وجہ سے بے فکر ہوسکتا ہے۔"[1]

صاحب تلویح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"البحث عن أحوال الرواة في زماننا هذا كالمتعذر بطول المدة وكثرة الوسائط فالأولى الاكتفاء بتعديل الأئمة الموثوق بهم في علم الحديث كالبخاری والمسلم والبغوی الصنعاني وغيرهم من أئمة الحديث."[2]

"ہمارے زمانے میں راویان حدیث کے حالات سے بحث کرنا طول مدت کی وجہ سے گویا مشکل ہے۔ پس بہتر یہ ہے کہ ائمہ حدیث جو فن حدیث میں معتبر ہیں انہی کی تنقید اور تعدیل پر کفایت کی جائے جیسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 256ھ)، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 261ھ) اور امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 516ھ) وغیرہ۔"

یہ کہہ کر مجتہد کا من حیث المجتہد فن حدیث میں دخل اتنا بتلاتے ہیں:

"لا يخفى أن المراد معرفة متن الحديث بمعانيه لغة وشرعا وبأقسامه من الخاص والعام وغيرها"[3]

"الفاظ حدیث کو اس کے معانی کے ساتھ جاننا اور اس کی اقسام، خاص، عام وغیرہ کو معلوم کرنا مجتہد کا فرض ہے۔"

اِمام اعمش رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 148ھ) نے فقہ اور حدیث کے دائرہ فنون کا تعین کرتے ہوئے کیا ہی اچھی بات کی ہے۔ ان کا یہ قول امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 463ھ) نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

"أنتم الأطباء ونحن الصيادلة."[4]

"اے فقہائے کرام! آپ طبیب ہیں اور ہم (محدثین) عطار ہیں۔"

علامہ تقی امینی رحمۃ اللہ علیہ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ قول پر انتہائی متوازن تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"محدثین کا کام اچھی دوائیں جمع کرنا اور فقہاء کا کام دواؤں کی جانچ پڑتال کرکے ان کو برمحل منطبق کرنا ہے۔"[5]

دونوں علوم میں پائے جانے والے واضح فرق کے باوجود دونوں فنون میں چولی دامن کا ساتھ بھی ہے اور دونوں فنون کے ماہرین ایک دوسرے سے بے نیاز نہیں ہوسکتے۔ اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لاکھوں رواۃ میں سے نہ سب فقہا ہیں اور نہ سب فقہا فن حدیث کے ماہر! چنانچہ اگر یہ

---

1. ثناء اللہ امر تسری، اجتہاد و تقلید: ص22، اہل حدیث اکادمی، لاہور، 1968ء
2. التفتازانی، سعد الدین مسعود بن عمر، التوضيح والتلويح: ص338، مكتبة صبيع، مصر
3. التوضيح والتلويح: ص338
4. القرطبي، أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد، جامع بيان العلم وفضله: 2/1029، دار ابن الجوزي، المملكة العربية السعودية، الطبعة الأولى، 1994م
5. تقی امینی، مولانا، حدیث کا درایتی معیار: ص188، قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی، 1986

دونوں طبقات اپنے اپنے میدان میں رہتے ہوئے ایک دوسرے کی خدمات سے مستفید ہوتے رہیں تو امت کے دو بڑے مکاتب فکر (اہل الحدیث، اہل الرائے) کے درمیان صدیوں سے جاری رہنے والی کشمکش کا سد باب کیا جاسکتا ہے۔ البتہ ان دونوں علوم کے مابین موجود قوی تعلق کی بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ بہتر یہی ہے کہ علم حدیث اور علم فقہ دونوں سے تعلق مساویانہ ہونا چاہیے، دونوں علوم کو ان کا مکمل حق دینا چاہیے اور کوشش کی جانی چاہیے کہ ہر دو علوم سے مکمل بے نیاز نہ ہوا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے خود برصغیر میں موجود زمانہ قدیم سے چلی آنے والی اس کشمکش کا علاج اپنی وصیتوں میں یہی پیش کیا ہے کہ صرف فن فقہ یا صرف فن حدیث پر قانع نہ ہوا جائے، بلکہ دونوں فنون کا حامل بنتے ہوئے 'فقہائے محدثین' کی صف میں کھڑا ہوا جائے۔[1] شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق جب ایک فقیہ علم الروایہ کا ماہر نہیں ہوتا تو عموماً اس پر 'رائے' غالب ہو جاتی ہے، اسی طرح جب ایک محدث ہر دم علم الحدیث میں مشغول رہے اور فہم واستنباط سے کوئی علاقہ نہ رکھے تو تفقہ کو موضوع نہ بنانے کی وجہ سے جلد یا بدیر 'ظاہریت' غالب ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے امت کے کبار ائمہ عموماً دونوں میدانوں میں طاق ہوتے تھے۔ جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 179ھ) اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 204ھ) وغیرہ۔

علامہ تقی امینی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"حدیث سے تعلق رکھنے والوں کو تین طبقات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

① جو حدیث کی صرف نقل وروایت میں زیادہ مشہور ہیں۔

② جو حدیث کی نقد ودرایت دونوں میں مشہور ہیں۔

③ جو حدیث کی روایت اور درایت دونوں میں مشہور ہیں۔

پہلے طبقہ میں وہ محدثین ہیں جو فقہ میں ممتاز نہ تھے۔ دوسرے میں وہ فقہاء ہیں جو حدیث میں ممتاز نہ تھے۔ اور تیسرے میں وہ اہل علم ہیں جو حدیث وفقہ دونوں میں ممتاز تھے۔"[2]

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی متعدد کتب "حجة الله البالغة"، "عقد الجيد في الاجتهاد والتقليد" اور اپنے وصیت نامہ وغیرہ میں تیسرے طبقہ کے حوالے سے واضح فرمایا ہے کہ فقہ یا حدیث کی باہمی کشاکش کے حوالے سے حل آج بھی یہی ہے کہ فقہ اور حدیث کو باہمی کشمکش سے نکال کر ایک دوسرے سے پیوستہ کیا جائے تو آج بھی 'فقہائے محدثین' کا رویہ پیدا ہو سکتا ہے۔[3]

بعد ازاں شاہ صاحب کے اسی فکر پر مشتمل ایک کتاب شیخ الحدیث مولانا اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ نے 'تحریک

---

[1] التفهيمات الالٰهية:2/240

[2] حدیث کا درایتی معیار: ص188

[3] التفهيمات الالٰهية:2/240

آزادی فکر' کے نام سے لکھی ہے۔اس سلسلہ میں اس کتاب کا مطالعہ ازبس ضروری ہے۔

جیساکہ ابھی اوپر مولانا تقی امینی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے گذرا کہ محدثین کے بھی طبقات ہیں، یہی وجہ ہے کہ اگرچہ عام محدثین فقاہت کی صفت سے متصف نہ تھے اور بے شمار فقہاء بھی علم حدیث میں مہارت نہیں رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود اکابر علمائے امت محدثانہ اور مجتہدانہ دونوں قسم کی بصیرتوں کے حامل ہوتے تھے، جیساکہ صحاح ستہ کے مصنفین رحمۃ اللہ علیہم اور حدیثیں جمع کرنے والے دیگر مصنفین رحمۃ اللہ علیہم کے اپنی تصانیف میں تراجم ابواب شاہد عدل ہیں کہ وہ دونوں فنون کے شاہ سوار تھے۔خاص کر اِمام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو فن حدیث کے ساتھ ساتھ فقہ الحدیث میں بھی کامل دسترس حاصل تھی۔اسی بناء پر وہ اپنی صحیح میں ایک ایک حدیث سے مختلف مسائل فقہیہ کا استنباط کرتے ہیں۔ صحیح بخاری کا قاری تراجم ابواب کے ضمن میں اِمام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی مسائل سے متعلق استنباطات اور استخراجات کو پڑھ کر یہ رائے قائم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، کہ مذاہب اربعہ پر لکھی جانے والی فقہ کی کتابوں کے انداز پر اگر اِمام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی فقہ الحدیث پر ایک مستقل کتاب تصنیف کر دیتے، تو اسے امت مسلمہ میں قبول عام حاصل ہوتا، کیونکہ آپ اس میں فقہ الرائے کی بجائے فقہ الحدیث کا اہتمام کرتے، جیسا کہ انہوں نے جامع بخاری کے تراجم ابواب کے ضمن میں کیا ہے۔ ویسے بھی عطار اور طبیب میں افضل اور غیر افضل کی بحث عین اسی طرح فضول ہے جس طرح کے ڈاکٹر اور انجینئر میں یہ بحث لایعنی ہے، کیونکہ یہ مختلف میادین ہیں اور ہر میدان کا آدمی دوسرے میدان کے آدمی سے کبھی بھی مستغنی نہیں ہو سکتا، چنانچہ ان سارے فنون کی ہی اپنے اپنے میدان میں بالادستی ہے۔

فقہ وحدیث کی باہمی کشمکش کے حوالے سے نمایاں موضوع حدیث پر قیاس کی فوقیت کا مسئلہ ہے۔اس سلسلہ میں عام معروف یہ ہے کہ یہ علمائے احناف کا مسلک ہے کہ وہ خبر کے مقابلے میں قیاس کو ترجیح دیتے ہیں، لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔یہ متاخرین فقہائے احناف رحمۃ اللہ علیہم کی ایک محدود جماعت کا موقف ہے، ورنہ جہاں تک اِمام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور فقہائے احناف رحمۃ اللہ علیہم کا تعلق ہے، تو ان کے نقطہ نظر کے مطابق ضعیف حدیث کو بھی قیاس پر ترجیح دی جائے گی۔اِمام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :

”وأصحاب أبي حنيفة مجمعون على أن ضعيف الحديث مقدم على القياس والرأي وعلى ذلك بنى مذهبه.“[1]

”اصحاب ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ضعیف حدیث کو قیاس اور رائے پر مقدم کیا جائے گا اور اسی اصول پر مذہب حنفی کی بنیاد ہے۔“

خلاصہ بحث

المختصر محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کا موضوع واقعہ (روایت) اور تحقیق واقعہ (تحقیق روایت) ہے، جبکہ تاویل حدیث

[1] إعلام المؤقعين:1/77

اور حدیث سے مسائل کا استخراج فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کا موضوع ہیں۔ تحقیق روایت کے لیے محدثینکا انداز اِسناد و متن دونوں کی تحقیق کرنا ہے، جبکہ تاویل حدیث کے لیے فقہاء معمول بہ روایاتِ صحیحہ یعنی قابل استدلال صحیح روایات سامنے رکھتے ہیں اور غیر معمول بہ روایات صحیحہ پر توقف کرتے ہیں۔ اس لیے روایات صحیحہ معمول بہا اور روایات صحیحہ غیر معمول بہا فن حدیث کے بجائے فن فقہ کا موضوع ہے، کیونکہ تحقیق کے اعتبار سے تو وہ صحیح قرار پاچکی ہوتی ہیں، البتہ نسخ یا ترجیح یا اضطراب کی وجہ سے ان سے استدلال کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی ان پر عمل۔ چنانچہ مختلف الحدیث یا مشکل الاثار کی مباحث بنیادی طور پر علم تاویل الحدیث کا موضوع ہیں، فن حدیث کا موضوع نہیں۔ اسی وجہ سے مختلف الادلہ، نسخ، ترجیح کے ضوابط وغیرہ عنوانات سے مستقل طور پر علم اصول فقہ بحث کرتا ہے۔[1]

فن محدثین میں یہ موضوعات صرف بطور خبر سامنے آتے ہیں۔ اسی لیے اس موضوع پر فقہاے کرام رحمۃ اللہ علیہم نے جس قدر محنت کی، عام محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ علامہ طاہر بن صالح الجزائری رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 1338ھ) فرماتے ہیں:

"إن المحدثين قلّما يحكمون على الحديث بالاضطراب إذا كان الاختلاف فيه واقعا في نفس المتن لأن ذلك ليس من شأنهم من جهة كونهم محدثين وإنما هو من شأن المجتهدين."[2]

"حدیث نبوی پر محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم اس صورت میں اضطراب کا حکم بہت کم لگاتے ہیں جبکہ نفس متن میں اختلاف ہو، کیونکہ بحیثیت محدث یہ ان کا کام نہیں، بلکہ یہ مجتہدین کا کام ہے۔"

پس محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کا کام 'علم حدیث' میں انتہائی عالی شان ہے، اور عام فقہاء رحمۃ اللہ علیہم کا یہ میدان نہیں ہے۔

اس ضمن میں ڈاکٹر مرتضیٰ زین احمد، اِمام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ 597ھ) سے نقل کرتے ہیں:

"قال ابن الجوزي: أيت بضاعة أكبر الفقهاء في الحديث مزجاة يعول أكثرهم على أحاديث لاتصح و يعرض عن الصحاح ويقلد بعضهم بعضا فيما ينقل."[3]

"اِمام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ حدیث کے میدان میں اکثر فقہاء کا علم بالکل ناقص ہے، اکثر فقہاء کی عادت ہے کہ وہ صحیح احادیث کو چھوڑ کر غیر ثابت روایات پر اعتماد کرلیتے ہیں جو صحیح نہیں ہوتیں اور ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی وہ ان ضعیف روایات کو نقل کرتے جاتے ہیں۔"

---

[1] الغزالي، أبو حامد محمد بن محمد، المستصفى من علم الأصول: 442/2، مؤسسة الرسالة، بيروت، 1997م

[2] الجزائري، طاهر بن صالح، توجيه النظر إلى أصول الأثر: 583/2، مكتبة المطبوعات الإسلامية، حلب، الطبعة: الأولى، 1995م

[3] أحمد، المرتضى الزين، مناهج المحدثين في تقوية الأحاديث الحسنة والضعيفة: ص28، مكتبة الرشد، الرياض، 1994م